تحقیق وتنقید

چوہدری محمد علی صاحب
مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

مراسلات (۳)

بسلسلہ رُوح، عذابِ قبر اور سماعِ موتیٰ

سماعِ موتیٰ سے یکسر انکار کرنے والوں کے بعد اب سماعِ موتیٰ کے قائلین کی طرف سے اعتراضات کی باری آئی۔ اس سلسلہ میں چوہدری محمد علی صاحب حنفی (بکا ڈیرہ وڑائچاں کوٹ رنجیت ضلع شیخوپورہ) کی طرف سے ادارہ محدث کے نام ایک طویل ترین خط موصول ہوا۔ جو خط سے زیادہ مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ساتھ ہی آخر میں یہ آرزو بھی کی گئی ہے کہ:

"آخر میں میں امید کرتا ہوں کہ ادارہ "محدث"، جو کتاب وسنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث وتحقیق کا حامی ہے، تصویر کا دوسرا رُخ بھی شائع کرنے کی زحمت گوارا کرے گا تاکہ "محدث" کا مطالعہ کرنے والے حق و باطل کو خود پرکھ سکیں۔"

یہ خط یا مضمون فل سکیپ کے مکمل دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے، تحریر گنجان ہے جو محدث کے کم وبیش ۲۵ صفحات کا متقاضی ہے۔ پھر اسی قدر یا اس سے کچھ زیادہ صفحات جواب کے لیے بھی درکار تھے۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ ۴۸ صفحات پر مشتمل ایک ماہوار رسالہ ایک قسط میں تو یہ سب کچھ شائع نہ کرسکتا تھا۔ اور اگر ایک قسط میں صرف یہ خط یا مضمون شائع کیا جاتا اور اگلے پرچے میں جوابات دیے جاتے، تو قارئین کو تقابل میں دقت محسوس ہوتی۔ اور اگر خط کا محض خلاصہ میں اپنی طرف سے

پیش کر کے اس کے جوابات قلمبند کر دیتا۔ تو مضمون نگار کی طرف سے اعتراضات کی گنجائش باقی رہتی۔ لہٰذا مضمون نگار کی آرزو کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اس مکمل خط یا مضمون کو بایں صورت شائع کیا جائے کہ پہلے اس کا ایک حصّہ من وعن نقل کر دیا جائے، پھر اس کا جواب لکھ دیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر یہ مکمل مضمون بمعہ جوابات دو یا تین اقساط میں بھی شائع ہو، تو قارئین وارد شدہ اعتراضات کے ساتھ ساتھ ان کے جوابات بھی ملاحظہ فرما سکیں گے۔

جواب لکھنے میں میں نے حتی الوسع اختصار سے کام لیا ہے اور صرف ان باتوں کا جواب دیا گیا ہے جن کا جواب دینا ضروری تھا اور جن پر حواشی کے نشانات لگا دیے گئے ہیں۔ پھر اسی ترتیب سے ان کا جواب بھی لکھا گیا ہے ——— جبکہ اصل مضمون کا من وعن شائع کرنا اس لیے ضروری تھا کہ صاحبِ مضمون کو یہ حسرت نہ رہ جائے کہ ان کا مضمون قطع وبرید کے ساتھ یا توڑ مروڑ کر شائع کیا گیا ہے۔

(عبدالرحمٰن کیلانی)

سماعِ موتیٰ۔ تصویر کا دوسرا رخ

مکرمی ایڈیٹر صاحب ماہنامہ "محدث" لاہور

سلام مسنون! چند ماہ سے آپ کے رسالہ "محدث" کا باقاعدگی سے مطالعہ کر رہا ہوں اور محدث میں چھپنے والے معیاری علمی مضامین سے کافی متاثر ہوں۔

اس وقت میرے سامنے آپ کے ماہنامہ "محدث" بابت ماہ دسمبر ۱۹۸۳ء، ماہ جنوری ۱۹۸۴ء کے شمارے ہیں۔ جن میں جناب مولانا عبدالرحمٰن کیلانی صاحب کا مضمون "روح، عذابِ قبر، سماعِ موتیٰ"، قسط وار شائع ہوا ہے۔ جس میں کیلانی صاحب نے قائلینِ سماع کے دلائل سے مجرمانہ سلوک کیا ہے۔ اسی سلوک نے مجھے آپ کو خط لکھنے کا حوصلہ بخشا ہے تاکہ کیلانی صاحب کو ان حقائق سے روشناس کرایا جائے، جنہیں مولانا موصوف نے جان بوجھ کر نظر انداز کیا ہے۔

مولانا کیلانی صاحب نے قرآنِ مجید کی چند آیات اور چند احادیث کے حوالہ سے جو رائے قائم کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

سماعِ موتیٰ ایک تحقیقی مسئلہ ہی نہیں بلکہ شرک کا چور دروازہ ہے (گویا قائلینِ سماع مشرک ہیں ملخص)

غائب شدہ بزرگوں کو پکارنا ان کی عبادت کے مترادف ہے۔غیب یا فوت شدہ بزرگ کسی کی پکار کر جواب دینا تو درکنار ان کی بات بھی نہیں سن سکتے۔قبروں میں پڑے ہوئے لوگ زندہ نہیں بلکہ بے جان اور مردہ ہیں اور انہیں اپنی ذات سے متعلق بھی کچھ علم نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے؟

اس مسئلہ میں قرنِ اول میں اختلاف موجود تھا۔حضرت قتادہ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سماعِ موتیٰ کے منکر تھے۔قلیبِ بدر والی حدیث حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک صحیح نہیں ملخص۔جن احادیث سے سماعِ موتیٰ ثابت ہوتا ہے وہ تیسرے اور چوتھے درجہ کی ہیں، جو قابلِ احتجاج نہیں ہوتیں۔جوتوں کی چاپ سننے والی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میت کو احساس دلایا جاتا ہے کہ جن عزیز و اقارب کی وجہ سے تو مارا مارا پھرتا تھا وہ تجھے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں، اس کے علاوہ اسے کچھ سنائی نہیں دیتا۔

یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ میری روح کو لوٹاتا ہے، حتیٰ کہ میں اس سلام کا جواب دیتا ہوں جو مسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے الخ" اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ نہیں جیسا کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے" اگر زندہ ہوں تو روح کے لوٹائے جانے کا کچھ مطلب نہیں نکلتا۔

قرآنِ مجید سماعِ موتیٰ کی پرزور تردید کرتا ہے۔ضعیف، وضعی احادیث سماعِ موتیٰ کا جواز مہیا کرتی ہیں۔اماموں اور بزرگوں کی روایات سب خرافات ہیں۔انہیں ماننا گویا قرآن و سنت سے دستبردار ہونا ہے۔

مولانا کیلانی صاحب نے اکابر مفسرین پر اعتماد کرنے کی بجائے من مانے نتائج اخذ کیے ہیں اور اگر اعتماد کیا ہے تو مولانا مودودی صاحب پر۔گویا کیلانی صاحب نے

جو تشریحات کی ہیں اور مولانا مودودی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے قرآن و سنّت کا منشاء بھی یہی ہے۔

مولانا مودودی نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ "میں نے دین کو ماضی و حال کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن و سنّت سے سمجھنے کی کوشش کی ہے اس لیے کبھی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے اور کرتے ہیں۔" (رودادِ جماعت[۲۷])

کیلانی صاحب نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے کہ "اللہ کا شکر ہے کہ اہلحدیث نہ کسی امام کا مقلّد ہے نہ علّامہ کا، وہ ان بزرگوں سے استفادہ تو کر سکتا ہے مگر روشنی براہِ راست قرآن و سنّت سے حاصل کرتا ہے۔"

الزام یہ نہیں کہ مولانا مودودی صاحب قرآن و سنّت کو دین کا ماخذ کیوں سمجھتے تھے اور کیلانی صاحب کیوں سمجھتے ہیں؟ بلکہ اعتراض یہ ہے کہ ماضی کے اشخاص اور بزرگوں میں صحابہ کرام سے تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، مفسّرین و محدّثین سب آجاتے ہیں۔ بقول علامہ ارشد القادری، (مصنّف "زلزلہ") (یہ وہ لوگ ہیں کہ) جن کی مشترک اور متوارث کوششوں سے دین اپنی واضح اور مفصّل تشریحات کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ لیکن نہ مولانا مودودی صاحب کو ان بزرگوں کی فکر و دیانت پر اعتماد تھا اور نہ کیلانی صاحب کو ہے، یہ سب کی راۓ ٹھکرا کر اپنی برتری منوانا چاہتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن و سنّت ہی دین کا اصل ماخذ ہے، لیکن بحث الفاظ و عبارات میں نہیں، ان کے مفہوم و معانی میں ہے[۲۸] اور ظاہر ہے کہ مفہوم کے تعین میں فہم ہی کو دخل ہے۔ اور جب اکابر امت کا فہم مولانا مودودی صاحب کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں تھا اور جناب کیلانی صاحب کے نزدیک نہیں ہے تو خود ان کے فہم پر کوئی کیسے اعتماد کر سکتا ہے؟

قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ بھی آئی ہے،

"اس امت کے پچھلے اگلوں پر لعن طعن کریں گے۔"[۲۹] (ترمذی جلد دوم)

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "بڑی جماعت کی پیروی کرو"، یعنی جس طرف

اکثر علماء ہوں!۔ جبکہ کیلانی صاحب پچھلوں کی تحریروں کو مردود ٹھہرا کر صحیح تشریحات کو اپنی اور اپنے چند ہم خیالوں کی تحریروں میں مقید سمجھے ہوئے ہیں۔

آخر ایسا مسئلہ جس پر اکابر علماء امت کا اجماع ہو چکا ہو کی مخالفت کرنا کونسی دینی خدمت ہے؟ جبکہ سماعِ موتیٰ کے باب میں اکابر علماء نے بھی قرآن وسنّت ہی سے استدلال کیا ہو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بالجملہ کتاب وسنّت مملوو مشحون اند کہ دلالت می کنند بر وجود علمِ موتیٰ را بدینا واہلِ دنیا پس منکر نشود آں را جاہل باخبار و منکرِ دین۔"

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد سوم ص۴۰۱)

ترجمہ: "مختصر یہ کہ کتاب وسنّت ایسے دلائل سے بھرپور ہیں جو اموات میں دنیا و اہلِ دنیا کے علم ومعرفت اور احساس وشعور پر دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا سماعِ اموات کا منکر صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو اخبار و روایات سے بے خبر ہو یا پھر ضروریاتِ دین کا منکر!"

حضرت سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بالجملہ انکار شعور وادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست"

ترجمہ: "مختصر یہ کہ اگر اموات کے احساس وشعور کا انکار کفر نہ ہو مگر منکر کے الحاد و بے دینی میں شبہ نہیں ہے۔"

(چوہدری محمد علی)

الجواب:

۱۔ میں نے سماعِ موتیٰ کے قائلین کو کسی جگہ بھی مشرک نہیں کہا۔ یہ مولانا محمد علی صاحب کا اپنا خیال ہے۔ میں نے اپنے مضمون میں یہ لکھا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماعِ موتیٰ کے قائل تھے۔ چنانچہ ایک مستفسر شاہ فاروق ہاشمی صاحب نے پوچھا تھا کہ "سماعِ موتیٰ کے قائلین کے حق میں آپ کیا فتوایٰ دیتے ہیں؟" تو میں نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ "میں کوئی فتویٰ دینے کے حق میں نہیں ہوں، البتہ آپ کو یہ مشورہ دوں گا

کہ آپ اس سلسلہ میں متشدد نہ ہوں۔" (محدث رمضان ۱۴۰۴ھ ص ۳۱/۲۲)

—— رہی یہ بات کہ یہ شرک کا سب سے بڑا چور دروازہ کیسے ہے؟ تو اگر تو بات صرف سماعِ موتیٰ تک محدود رہتی تو اس میں حرج بھی نہ تھا۔ مگر جب بات یوں بڑھے کہ مُردے علی الاطلاق سنتے ہیں اور ہر آنے والے کی ہر وقت سنتے ہیں۔ پھر صرف سنتے ہی نہیں، جواب بھی دیتے ہیں۔ حاجت روائی اور مشکل کشائی بھی کرتے ہیں۔ پھر صرف قبر پر ہی نہیں بلکہ ہر جگہ سے سن سکتے ہیں۔ تو بتلایئے کہ اور شرک کسے کہتے ہیں؟ ندا لغیر اللہ اور کیا چیز ہے؟ جس کی قرآن پُرزور تردید کرتا ہے جبکہ یہ بھی مسلّم ہے کہ اللہ کے سوا جتنے بھی معبود ہیں سب باطل ہیں۔

۵۲ یہ بحث ذرا تفصیل سے آگے چل کر آئے گی۔

۵۳ اب دیکھیے ان بزرگوں کی مشترک اور متوارث کوششوں سے ہی دین شیعہ حضرات کو بھی پہنچا ہے۔ بریلویوں، قادیانیوں، اہلحدیثوں کو بھی۔ غرضیکہ سب حضرات دین کی تفہیم کے بارے میں اپنے ڈانڈے انہی بزرگوں کے واسطہ سے تابعین اور صحابہؓ تک پہنچاتے ہیں، تو کیا یہ سارے کے سارے فرقے حق پر ہیں؟ آخر کون سی دلیل سے آپ اپنے علاوہ دوسروں کے بزرگوں کے فہم کو رد کر سکتے ہیں؟

۵۴ میں اپنا فہم پہلے بھی بوضاحت پیش کر چکا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ:

۱۔ قرآن سماعِ موتیٰ کی پرزور تردید کرتا ہے۔

۲۔ پھر قرآن ہی سے اللہ تعالیٰ کے، مُردوں کو سنانے کی استثنائی صورت بھی ثابت ہوتی ہے جس کی تائید بعض احادیثِ صحیحہ بھی کرتی ہیں۔

۳۔ موضوع احادیث یا تیسرے اور چوتھے درجہ کی احادیث سماعِ موتیٰ کا علی الاطلاق جواز ثابت کرتی ہیں۔

۴۔ بعض بزرگوں کے اقوال صرف سماعِ موتیٰ تو درکنار، ان مُردوں کے جواب دینے اور حاجت روائی اور مشکل کشائی یا تصرف فی الامور کی بھی پرزور تائید کرتے ہیں جو قرآن کی تعلیم کے صریح خلاف ہیں۔

پھر مجھے قطعاً یہ اصرار نہیں کہ دوسرے لوگ میرے فہم کو قابلِ اعتماد سمجھیں بلکہ ان کے لیے بھی یہی راہِ صواب ہے کہ وہ ہر بات کو کتاب و سنت پر پیش کرنے کے بعد ہی

کسی بات کو درست یا نادرست قرار دیں۔

۵۔ لعن طعن کرنا اور بات ہے۔ ان کی عزت و تعظیم کرنا اور بات، اور ان کے اقوال و ارشادات کو قابلِ اتباع اور حجت سمجھنا اور بات ہے۔ لعن طعن کرنے والے تو شیعہ حضرات ہیں جو علی الاعلان صحابہ کرامؓ پر تبرا بولتے ہیں۔ یا پھر خارجی، ناصبی، رافضی وغیرہ ہیں۔ جو علی الاعلان لعن طعن نہ بھی کریں، تاہم ان کے منہ سے ان بزرگوں کے حق میں کلمۂ خیر کم ہی نکلتا ہے۔ ان کے علاوہ مسلمانوں کے جتنے فرقے ہیں میرے خیال میں ان میں سے کوئی بھی بزرگوں پر لعن طعن نہیں کرتا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ تو درکنار، ہم تو ائمہ کرامؒ کو بھی قابلِ تعظیم اور ان کی کوششوں کو مستحسن سمجھتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے ہر ایک کی ہر اک بات کو ہم من وعن تسلیم کر لیں، جبکہ ہمارے پاس ایک معیار موجود ہے کہ دین کی ہر ایک بات کو کتاب و سنت پر پیش کیا جانا چاہیے۔ اب اگر کسی بزرگ کی بات اس معیار پر پوری نہ اترنے کی وجہ سے ناقابلِ قبول سمجھی جائے تو اس سے لعن طعن کا کونسا پہلو نکلتا ہے؟ اس بات کو میں ایک مثال سے سمجھاؤں گا۔

امام نسائی نے اپنی سنن (کتاب الحج) میں مروان بن حکم سے روایت کی، کہ میں حضرت عثمانؓ کے پاس بیٹھا تھا انہوں نے حضرت علیؓ کو عمرہ اور حج دونوں (یعنی حج قران) کی لبیک کہتے ہوئے سنا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو اس سے منع فرمایا اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ:

"فَلَمْ أَدَعْ قَوْلَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِكَ"

(نسائی، کتاب الحج، باب القران)

"میں تمہارے قول کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو نہیں چھوڑ سکتا"

غور فرمائیے۔ حضرت عثمانؓ اپنے دورِ خلافت میں حضرت علیؓ کو حکماً اس بات سے منع کرتے ہیں۔ (جس کی وجہ یہ تھی کہ آپؓ کو پہلے اس کا علم نہ تھا) لیکن حضرت علیؓ نے آپؓ کے قول کی کوئی پرواہ نہ کی تو پھر دوسرے ائمہ کرام یا بزرگانِ دین کس شمار و قطار میں ہیں؟

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والدِ محترم سے حج تمتع کے بارے میں اختلاف کیا۔ اور حضرت عمر فاروقؓ سے کہا کہ "میں تو آپؐ کو رسول اللہ کا قول سناتا ہوں اور آپ اپنی بات کرتے ہیں" غرضیکہ ایسی مثالیں دورِ صحابہؓ میں کافی مل جاتی ہیں۔ اب ہم نہیں سمجھتے کہ حضرت علیؓ کا حضرت عثمانؓ کو اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا حضرت عمرؓ کو یہ جواب لعن طعن کیسے کہلا سکتا ہے؟

اب ان ائمہ کرام اور بزرگانِ دین کی مشترک اور متوارث کوششوں کا دُوسرا پہلو بھی سامنے لائیے۔ ان حضرات کی ہر بات کو قابلِ اتباع سمجھنے کا دُوسرا نام تقلیدِ آباء یا آباء پرستی ہے۔ جسے قرآن کریم نے بہت سے مقامات پر مردود قرار دیا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے یہی ائمہ کرام اور بزرگانِ دین تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ"

"انہوں نے علماء اور مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنا لیا تھا"

اس آیت سے متعلق جب عدیؓ بن حاتم ـــــ جو پہلے عیسائی تھے ـــــ نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! ہم اپنے علماء و مشائخ کو رب تو نہیں سمجھتے تھے" تو رسول اللہؐ نے جواب دیا "کیا تم ان کے بتلائے ہوئے حلال کو حلال، اور حرام کو حرام نہیں سمجھتے تھے؟" عدیؓ بن حاتم نے جواب دیا "ہاں یہ بات تو تھی" تو آپؐ نے فرمایا، "رب بنانے کا یہی مطلب ہے" (ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ توبہ)

گویا یہود و نصاریٰ کی اصل غلطی یہ تھی کہ وُہ بھی یہی سمجھتے تھے کہ یہ بزرگانِ دین اور ائمہ کرام شریعت کو ہم سے بہتر سمجھتے اور ہم سے بہت زیادہ نیک اور متقی تھے۔ لہٰذا وُہ دین کی باتوں کو شریعت کے اصل ماخذ پر پیش کرنے کی بجائے انہی بزرگوں اور ائمہ کرام کے اقوال و ارشادات کو قابلِ اتباع سمجھ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ دین ہمیں انہی بزرگانِ دین کی مشترک اور متوارث کوششوں سے پہنچا ہے۔

اور تیسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ دین میں جب کبھی بھی بگاڑ پیدا ہُوا ہے، تو انہی ائمہ کرام اور مشائخ عظام کے اقوال و ارشادات کو حجت اور واجب اتباع سمجھنے کی وجہ سے ہُوا ہے۔ کیونکہ یہی بات فرقہ پرستی کی بنیاد بنتی ہے۔ کسی شاعر

نے کہا ہے ؎

وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّيْنَ إِلَّا الْمُلُوْكُ وَأَحْبَارُ سُوْءٍ وَّرُهْبَانُهَا

یعنی "دین کو تباہ و برباد کرنے والے تین ہی گروہ ہو سکتے ہیں۔ بادشاہ، علماءِ سوء اور بزرگانِ دین"

اسی لیے امام مالکؒ رسول اللہ کی قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے:

"صرف یہی وہ ہستی ہے جس کی کسی بھی بات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ باقی رہے دوسرے لوگ، تو ان کی باتوں کو قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور رد بھی۔

اور امام بخاریؒ نے تو "کتاب الاعتصام بالسنۃ" میں ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:

"آنحضرتؐ کے سامنے ایک بات کی جائے اور آپؐ اس پر انکار نہ کریں تو یہ حجت ہے۔ آپؐ کے سوا کسی اور کی تقریر حجت نہیں"

ط "بڑی جماعت یا سوادِ اعظم سے موصوف نے" اکثر علماء" مراد لی ہے۔ اگر ان کا یہ مفہوم درست کہا جائے تو یہ بات بھی کوئی پسندیدہ چیز نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (التوبۃ: ۳۴)

"اے ایمان والو اعلماء اور مشائخ کی اکثریت ایسی ہے جو ناحق لوگوں کے مال کھاتے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں"

گویا علماء و مشائخ کی اکثریت خدائی احکام کی غلط تعبیر پیش کر کے ایک تو لوگوں سے پیسے بٹورتی ہے اور دوسرے شریعت کی راہ میں روک بن جاتی ہے۔ اور رہبان یعنی مشائخِ عظام یا بزرگانِ دین کے متعلق بھی بالوضاحت فرمایا کہ:

"وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ" (الحدید: ۲۷)

"ان میں سے اکثر فاسق ہوتے ہیں"

ان آیات کی روشنی میں محض علماء کی اکثریت کو کیسے واجب الاتباع قرار دیا جا سکتا ہے۔؟

۵۷۔ سماعِ موتیٰ کے مسئلہ پر اجماع تو صحابہؓ میں بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا تو پھر آپ کون سے اکابر علماء امت کے اجماع کی بات کرتے ہیں ؛ علاوہ ازیں ہم پہلے مرعاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۰۵، کے حوالہ سے تبلا چکے ہیں کہ صرف ایک عبداللہ بن عمرؓ سماعِ موتیٰ کو درست سمجھ کر رسول اللہ کی قبر مبارک پر آکر سلام کہتے تھے۔ دوسرے کسی صحابی سے یہ عمل ثابت نہیں۔

۵۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہی وہ محدث ہیں جنھوں نے سماعِ موتیٰ کو بنیاد بنا کر "صلوٰۃِ غوثیہ" یا پیرانِ پیر کی نماز" تک کو جائز اور درست تسلیم کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں : "آپ (سید عبدالقادر جیلانی) نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے اور سلام کے بعد سرکار پر درود بھیجے اور میرا نام لے کر اللہ سے دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حاجت براری کرے گا۔ (ایک روایت میں ہے کہ گیارہ قدم عراق کی جانب چل کر میرا نام لے کر دعا مانگے، لیکن یہ روایت ثابت نہیں ہے)۔" (اخبار الاخیار مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی، مترجم اردو سبحان محمود ص ۱۴۹، ۱۵۰، نیز دیکھیے، سیرۃ غوث الثقلین مصنفہ ضیاء اللہ قادری ص ۲۴۳)

غور فرمایئے، محدث صاحب کے اس پورے بیان میں صرف آخری ایک روایت ثابت نہیں، باقی سب کچھ بلا شک و شبہ تحقیق شدہ ہے۔ اور یہ بات ہے بھی قرینِ قیاس کہ جہاں ہزاروں میل کا فاصلہ ہو، وہاں صرف گیارہ قدم جانبِ عراق (بغداد جو شیخ جیلانی کا مولد و مدفن ہے) چلنے یا نہ چلنے سے بھی کیا فرق پڑتا ہے؟ پھر عراق کی جانب (رخ) تلاش کرنے سے بھی اس روایت کی بے ثبوتی نے آزاد کر دیا۔

اب ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" (الفاتحۃ : ۴)

("اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں"۔

اور دوسری طرف عبدالحق محدث صاحب کا یہ تحقیق شدہ بیان ہے۔ ان میں مناسبت و موافقت آپ خود ملاحظہ فرمالیجیے۔ محدث صاحب نے جن بلند پایہ مراجع سے تحقیق فرمائی ہے، وہ یہ ہیں :

بهجة الاسرار، قلائد الجواهر، زبدة الآثار، نزهة الخاطر للفاتر اور تفريح الخاطر۔
دیکھیے ان میں کوئی بھی حدیث کی کتاب ہے؟ —— یہ ہے، اکثر علماء کے اقوال کو واجب الاتباع سمجھنے کا نتیجہ!

۵۔ اموات کے احساس و شعور سے کسے انکار ہے؟ اگر ان میں احساس و شعور نہ ہو تو قبر کا عذاب کیسے ہو سکتا ہے اور اموات، جنت کے فوائد سے کیسے مستفید ہو سکتے ہیں؟ لیکن اس احساس و شعور سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ اہلِ دنیا کی باتیں بھی سن سکتے ہیں؟ اسی عالمِ دنیا میں ایک سویا ہوا شخص پاس بیٹھے ہوئے آدمیوں کی گفتگو نہیں سن سکتا، تو دوسرے عالم یعنی عالمِ برزخ میں پہنچا ہوا شخص اس عالمِ دنیا کی باتیں کیونکر سن سکتا ہے؟ بایں ہمہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سویا ہوا شخص احساس و شعور رکھتا ہے۔ اور اسی احساس و شعور کی وجہ سے خواب میں چلتا پھرتا، باتیں کرتا اور سنتا ہے۔

(جاری ہے)

خلافت و جمہوریت

از قلم

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے!

ضخامت : ۲۸۸ صفحات

مجلد سنہری ڈائیدار —— قیمت ۳۸ روپے

ناشر

ادارہ محدث ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور (۱۴)